اصول دین

تسہیل واصلاح شدہ جدید ایڈیشن

- مباحث وحی ○ اصول تفسیر ○ اصول حدیث ○ اجماع امت
- قیاس ○ علم فقہ کس کو کہتے ہیں ○ علم اصول فقہ ○ قواعد فقہیہ
- اصول اجتہاد ○ اصول تقلید ○ اصول سنت وبدعت ○ اصول ایمان وکفر

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد

ایم۔بی۔بی۔ایس

مفتی جامعہ مدنیہ لاہور

مجلس نشریات اسلام

۱۔کے۔۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد نمبر ۱، کراچی 74600

نواں باب

اصول اجتہاد

اجتہاد کی تعریف:

بَذْلُ الطَّاقَةِ مِنَ الْفَقِيْهِ فِيْ تَحْصِيْلِ حُكْمٍ شَرْعِيٍّ ظَنِّيٍّ

شرعی ظنی حکم کو حاصل کرنے کے لئے فقیہ کا اپنی قوت خرچ کرنا۔ اس کو اجتہاد کہتے ہیں۔

مجتہد کی تعریف:

وہ فقیہ جو اجتہاد کی اہلیت وقوت رکھتا ہو اس کو مجتہد کہتے ہیں۔ اور مجتہد کی دو قسمیں ہیں۔ مجتہد مطلق یعنی جس کو کسی بھی پیش آنے والے واقعہ میں اجتہاد کرنے کی قدرت حاصل ہو اور مجتہد فی البعض (یعنی جزوی مجتہد) کہ جس کو صرف بعض مسائل میں اجتہاد کرنے کی قدرت ہو۔

مجتہد مطلق کی شرائط

مسلم الثبوت میں ہے:

وشرطه مطلقا بعد صحة ايمانه ولو بالادلة الاجمالية معرفة الكتاب و قيل بقدر خمسمائة آية والسنة متنا قيل التى يدورعليها العلم الف و مائتان و سندا مع العلم بحال الرواة ولو بالنقل عن ائمة الشان و مواقع الاجماع ان يكون ذا حظ وافر مما تصدى له هذا العلم فان تدوينه و ان كان حادثا لكن المدون سابق. واما العدالة فشرط قبول الفتوى.

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ مجتہد مطلق میں مندرجہ ذیل اوصاف ضروری ہیں۔

1- اس کا ایمان صحیح ہو کیونکہ اول تو ایمان ہر عبادت کے لئے شرط ہے۔ دوسرے

اجتہاد کہتے ہیں حکم شرعی کے استخراج اور حاصل کرنے کو تو ضروری ہے کہ اس کو حاکم (یعنی حکم دینے والی ذات جو کہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اس) کی معرفت حاصل ہو اور اس کو معلوم ہو کہ احکام کی تبلیغ میں کون وسلیہ ہیں (یعنی رسول صلی اللہ علیہ وسلم) اور اللہ تعالیٰ کی صفات کا بھی علم ہو اگرچہ اجمالی دلائل ہی سے ہو۔

2- اس کو متن (text) معنی اور حکم تینوں کے اعتبار سے کتاب الٰہی کی معرفت حاصل ہو کیونکہ کتاب الٰہی احکام کی اساس ہے۔اس لیے قرآن کے صرف اتنے حصے کو جاننا شرط ہے جس کا تعلق احکام شرعیہ سے ہے۔بعض حضرات نے اس کی مقدار پانچ سو آیتیں بتائی ہیں۔

3- اس کو متن اور سند کے اعتبار سے سنت رسول کی معرفت حاصل ہو بایں طور کہ وہ ان کا معنی جانتا ہو اور تاویل کا طریقہ پہچانتا ہو اور یہ بھی جانتا ہو کہ کونسی حدیث متواتر ہے کونسی مشہور اور کونسی خبر واحد ہے۔پھر حدیث کے نقل کرنے والوں یعنی راویوں کے حال سے بھی باخبر ہو۔بعض نے کہا کہ متعلقہ حدیثیں بارہ سو ہیں۔

4- وہ مواقع اجماع سے باخبر ہو تاکہ اجماع کے مخالف اجتہاد نہ کرنے لگے۔

5- اس کو علم اصول کا وافر حصہ حاصل ہو۔

6- صرف، نحو اور لغت کی اتنی معرفت ضروری ہے جو کتاب وسنت کے معانی سمجھنے کیلئے ناگزیر ہے۔

اجتہاد کی ضرورت کے مواقع

مسائل کی چار قسمیں ہیں۔

i- وہ مسائل جن میں نصوص یعنی آیات یا احادیث میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے مثلاً بعض حدیثوں میں امام کے پیچھے مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم نظر آتا ہے اور بعض میں ممانعت نظر آتی ہے۔اس ظاہری تعارض کو حل کرنے کیلئے مجتہد کو اجتہاد کی ضرورت ہوتی ہے۔

ii- وہ مسائل جن میں نصوص میں تعارض تو نہیں ہے مگر ان میں متعدد معانی اور وجود کا احتمال ہے۔ان میں کسی ایک احتمال کی تعیین کیلئے اجتہاد کی ضرورت ہو گی۔مثلاً قُرُوْءٌ میں حیض اور پاکی دونوں ہی معنی کا احتمال ہے۔کسی ایک معنی کی تعیین کے لئے مجتہد کے اجتہاد کی ضرورت ہو گی۔

iii- وہ مسائل جن کا ذکر قرآن و حدیث میں نہ ہو ۔ان میں مجتہد کے قیاس کی ضرورت ہو گی ۔

iv- وہ مسائل جن میں تعارض بھی نہ ہو اور ان میں صرف ایک ہی معنی نکل سکتا ہو،ان میں اجتہاد کی ضرورت نہیں۔ وہ مسائل جن کا جزودین ہونا بالکل ظاہر اور بدیہی ہے اس قسم میں داخل ہیں مثلاً پانچ نمازوں کی زکوۃ کی، رمضان کے روزوں کی اور حج کی فرضیت اور زنا اور شراب نوشی کی حرمت وغیرہ۔

قوت اجتہادیہ کی حقیقت

1- عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ﷛ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلٰی سَبْعَةِ أَحْرُفٍ لِكُلِّ آيَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ وبَطْنٌ وَلِكُلِّ حَدٍّ مَطْلَعٌ (مشکوۃ)

حضرت ابن مسعود﷛ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ قرآن سات حرفوں پر نازل کیا گیا ہے ۔ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حد کیلئے طریقہ اطلاع جداگانہ ہے (یعنی ظاہری معنی کیلئے علوم عربیہ اور باطنی و مخفی معنی کیلئے فہم کی قوت درکار ہوتی ہے)۔

2- عَنْ عُرْوَةَ قَالَ قُلْتُ لِعَائِشَةَ مَا أَرٰى عَلٰى أَحَدٍ لَمْ يَطُفْ بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةِ شَيْئًا وَمَا أُبَالِيْ أَنْ لَّا أَطَّوَّفَ بَيْنَهُمَا قَالَتْ بِئْسَ مَا قُلْتَ يَا ابْنَ أُخْتِيْ ...... وَلَوْ كَانَتْ كَمَا تَقُوْلُ لَكَانَتْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا (مسلم)

حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں میں نے حضرت عائشہؓ سے کہا (قرآن پاک کی آیت اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰہِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ

عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا سے) میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر کوئی کوئی صفا اور مروہ کے درمیان چکر نہ لگائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور میں پرواہ نہیں کرتا کہ میں ان کے درمیان چکر نہ لگاؤں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اے بھانجے تم نے بہت بری بات کہی...... اگر بات ویسے ہوتی جیسے تم کہتے ہو تو (فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا کے بجائے) یوں ہوتا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا ہوتا یعنی ان کا چکر نہ لگانے میں کوئی گناہ نہیں۔

3- عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فِيْ فَضْلِ الصَّحَابَةِ قَالَ كَانُوْا أَفْضَلَ هٰذِهِ الْأُمَّةِ أَبَرَّهَا قُلُوْباً وَأَعْمَقَهَا عِلْماً وَأَقَلَّهَا تَكَلُّفاً. الحديث

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحابہ رضی اللہ عنہم کی فضیلت میں وارد ہے کہ وہ حضرات تمام امت سے افضل تھے۔ ان کے دل سب سے زیادہ پاک تھے۔ ان کا علم سب سے زیادہ عمیق تھا۔ ان کا تکلف سب سے کم تھا۔

4- عَنْ أَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَلِيًّا هَلْ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ لَيْسَ فِي الْقُرْآنِ فَقَالَ وَالَّذِيْ فَلَقَ الْحَبَّةَ وَبَرَأَ النَّسَمَةَ مَا عِنْدَنَا اِلَّا مَا فِي الْقُرْآنِ اِلَّا فَهْمًا يُعْطٰى رَجُلٌ فِيْ كِتَابِهٖ (بخاری)

ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے امیر المومنین آپ کے پاس کچھ ایسے مضامین لکھے ہوئے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں۔ انہوں نے فرمایا اس ذات کی قسم جس نے دانہ کو شگاف دیا اور جان کو پیدا کیا ہمارے پاس کوئی ایسا علم نہیں لیکن فہم خاص ضرور ہے جو اللہ تعالیٰ قرآن میں کسی کو عطا فرما دیں۔

5- حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل یمامہ کے ساتھ جنگ کے زمانہ میں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے میرے بلانے کے لئے آدمی بھیجا۔ وہاں جا کر دیکھتا ہوں کہ حضرت عمر بھی بیٹھے ہیں۔ حضرت ابو بکر نے قصہ بیان کیا کہ عمر نے میرے پاس آ کر صلاح دی ہے کہ جنگ یمامہ میں قرآن کے بہت قراء شہید ہو گئے ہیں۔ مجھے

اندیشہ ہے کہ اگر اسی طرح سب جگہ لوگ شہید ہوتے رہے تو قرآن کا بڑا حصہ ضائع ہو جائے گا اس لئے میری رائے یہ ہے کہ آپ قران جمع کرنے کا حکم فرما دیں۔ میں نے عمر کو جواب دیا کہ جو کام رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا وہ میں کس طرح کروں؟ عمر نے کہا واللہ یہ کام خیر محض ہے۔ پس برابر بار بار اسی کو کہتے رہے حتیٰ کہ جس باب میں ان کو شرح صدر اور اطمینان تھا مجھ کو بھی شرح صدر ہو گیا (بخاری)

ان پانچ حدیثوں سے چند امور حاصل ہوئے۔

i- پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کی آیات کے بعض معانی ظاہر اور واضح ہیں اور بعض مخفی اور دقیق ہیں (کیونکہ ان میں اسرار، علتوں اور حکمتوں کا ذکر ہے)۔ یہی معاملہ احادیث کا بھی ہے کہ بعض کے معانی ظاہر ہیں اور بعض کے مخفی و دقیق ہیں۔

تیسری حدیث سے بھی اسی مضمون کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ظاہری معنی تو استاد اور شاگرد (یعنی صحابہ اور ان کے شاگرد) سب ہی جانتے تھے۔ پھر صحابہ کے افضل و افقہ ہونے کی وجہ یہی ہے کہ وہ ظاہری معنی کے علاوہ مخفی اور دقیق معانی کو زیادہ جاننے والے تھے۔

ii- دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ آیات و احادیث کو سمجھنے میں لوگوں کے فہم مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی صرف ان کے ظاہری معنی تک رہ جاتے ہیں اور کوئی ان کے دقیق اور مخفی معانی تک پہنچ جاتے ہیں۔ حدیث میں مذکور آیت میں جو دقیق نکتہ ہے اس کے باوجود کہ وہ زیادہ مخفی نہیں ہے مگر حضرت عروہ رحمہ اللہ اس کو نہ سمجھ سکے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کو سمجھ گئیں۔

iii- تیسری حدیث سے معلوم ہوا کہ فہم اور سمجھ کا ہر درجہ فضل و شرف کا باعث نہیں ہے بلکہ کوئی خاص درجہ ہے جو کہ اپنے دقیق و عمیق (یعنی اس میں باریکی اور گہرائی) ہونے کے باعث فضل و شرف کا باعث ہوتا ہے اور اس درجہ میں اس کو معتد بہ علم سمجھا جاتا ہے۔

iv- چوتھی حدیث سے معلوم ہوا کہ فہم کا وہ خاص درجہ محض اپنے کسب اور کوشش سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہبی اور خداداد ہوتا ہے یعنی اللہ تعالی جس کو چاہتے ہیں وہ عطا فرما دیتے ہیں۔

ان چار امور کا حاصل یہ ہے کہ قوت اجتہادیہ علم وفہم کا وہ خاص خداداد درجہ ہے جس کے ذریعہ سے اس کا مالک آیات واحادیث کے پوشیدہ اور دقیق معانی اور احکام کے اسرار وعلل پر مطلع ہو جاتا ہے جبکہ دوسروں کی وہاں تک رسائی بھی نہیں ہوتی۔

یہی قوت اجتہادیہ ہے جس کو آیات واحادیث میں فہم، فقہ، رائے، اجتہاد، استنباط اور شرح صدر وغیرہ عنوانات سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اجتہاد کے جواز کے دلائل

اجتہاد کی پہلی صورت: وہ حکم جو قرآن وسنت میں نہ ہو اس کے لئے اجتہاد کرنے کے دلائل

1- حضرت معاذ ؓ والی حدیث پہلے گزر چکی ہے جس میں ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے اس سوال پر کہ اگر تم کوئی حکم (قرآن میں اور) رسول اللہ کی سنت میں نہ پاؤ تو کس طرح فیصلہ کرو گے۔انہوں نے جواب دیا أَجْتَهِدُ بِرَايِئُ (میں اپنی رائے اور اپنے غور وفکر سے اجتہاد کرونگا) اور آپ ﷺ نے ان کے جواب پر اللہ تعالی کا شکر ادا کیا۔

2-عَنْ طَارِقٍ أَنَّ رَجُلاً أَجْنَبَ فَلَمْ يُصَلِّ فَأَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَذَكَرَ ذٰلِکَ لَهٗ فَقَالَ أَصَبْتَ فَأَجْنَبَ آخَرُ فَتَيَمَّمَ وَصَلّٰى فَأَتَاهُ فَقَالَ نَحْوَمَا قَالَ لِلْاٰخَرِ يَعْنِىُ أَصَبْتَ (نسائی)

طارق ؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص کو نہانے کی حاجت ہو گئی۔اس نے نماز نہیں پڑھی۔ پھر وہ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں حاضر ہوا اور اس قصہ کا ذکر کیا آپ

ﷺ نے ارشاد فرمایا تو نے ٹھیک کیا۔ پھر ایک دوسرے شخص کو اسی طرح نہانے کی حاجت ہو گئی اس نے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی پھر وہ آپ کے حضور میں حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے اس کو بھی ویسی ہی بات فرمائی جو پہلے سے فرما چکے تھے یعنی تو نے ٹھیک کیا۔

اس حدیث سے اجتہاد و قیاس کا جواز صاف ظاہر ہے کیونکہ ان کو اگر نص کی اطلاع ہوتی تو پھر عمل کرنے کے بعد سوال کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دونوں نے اپنے اجتہاد و قیاس پر عمل کر کے اطلاع دی اور آپ نے دونوں کی تصویب فرمائی اور یہ طے شدہ قاعدہ ہے کہ نبی ﷺ کی تقریر یعنی کسی بات کو سن کر رد نہ فرمانا بلکہ صراحت کے ساتھ اس کو صحیح کہنا اس بات کے صحیح ہونے کی شرعی دلیل ہے۔ لہذا ثابت ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے وقت میں صحابہ نے قیاس کیا اور آپ ﷺ نے اس کو جائز رکھا۔

تنبیه: دونوں کو یہ فرمانا کہ ٹھیک کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کو ثواب ملا اور یہ مطلب نہیں کہ اب قرآن و حدیث میں تیمّم کا حکم ظاہر ہو جانے کے بعد بھی ہر ایک کو اختیار ہے چاہے تیمّم کرے اور چاہے نہ کرے اور خواہ نماز پڑھے خواہ نہ پڑھے۔

3- عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ اِحْتَلَمْتُ فِيْ لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ فِيْ غَزْوَةِ ذَاتِ السَّلَاسِلِ فَأَشْفَقْتُ إِنِ اغْتَسَلْتُ أَنْ أَهْلِكَ فَتَيَمَّمْتُ ثُمَّ صَلَّيْتُ بِأَصْحَابِيَ الصُّبْحَ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ ﷺ فَقَالَ يَا عَمْرُو صَلَّيْتَ بِأَصْحَابِكَ وَأَنْتَ جُنُبٌ فَأَخْبَرْتُهُ بِالَّذِيْ مَنَعَنِيْ مِنَ الْإِغْتِسَالِ وَقُلْتُ إِنِّيْ سَمِعْتُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ وَلَا تَقْتُلُوْا أَنْفُسَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَلَمْ يَقُلْ شَيْئاً (ابو داود)

ترجمه: حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھ کو غزوہ ذات السلاسل کے سفر کے دوران ایک سردی کی رات میں احتلام ہو گیا اور مجھ کو اندیشہ ہوا کہ اگر غسل کرونگا تو شاید ہلاک ہو جاؤں گا۔ میں نے تیمّم کر کے اپنے

ہمراہیوں کو صبح کی نماز پڑھا دی۔ ان لوگوں نے جناب رسول اللہ ﷺ کے حضور میں اس قصہ کو ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا اے عمرو تم نے جنابت کی حالت میں لوگوں کو نماز پڑھا دی۔ میں نے جو امر کہ مانع تھا وہ بتلایا اور عرض کیا کہ میں نے حق تعالیٰ کو یہ فرماتے سنا کہ اپنی جانوں کو قتل مت کرو بے شک حق تعالیٰ تم پر مہربان ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ ہنس پڑے اور کچھ نہیں فرمایا۔

یہ حدیث بھی اجتہاد و قیاس کے جواز پر صراحۃً دلالت کر رہی ہے۔ چنانچہ رسول ﷺ کے دریافت فرمانے پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے اپنے استدلال کی مذکورہ صورت میں تقریر بھی کر دی اور آپ ﷺ نے اس کو جائز رکھا۔

اجتہاد کی دوسری صورت: حدیث کے مختلف احتمالات میں سے کسی ایک احتمال کو اختیار کرنے کی دلیل

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ ﷺ یَوْمَ الْاَحْزَابِ لَا یُصَلِّیَنَّ اَحَدٌ الْعَصْرَ اِلَّا فِیْ بَنِیْ قُرَیْظَةَ فَاَدْرَکَ بَعْضُهُمُ الْعَصْرَ فِی الطَّرِیْقِ فَقَالَ بَعْضُهُمْ لَا نُصَلِّیْ حَتّٰی نَاْتِیَهَا وَقَالَ بَعْضُهُمْ بَلْ نُصَلِّیْ لَمْ یُرِدْ مِنَّا ذٰلِکَ فَذُکِرَ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ ﷺ فَلَمْ یُعَنِّفْ وَاحِدًا مِنْهُمَا (بخاری)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے یوم احزاب میں صحابہ سے فرمایا تم میں سے کوئی عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنو قریظہ کے علاقہ میں۔ پھر بعض صحابہ کو راہ میں عصر کا وقت آ گیا تو باہم رائے مختلف ہوئی۔ بعض نے کہا کہ ہم نماز نہ پڑھیں گے جب تک ہم اس جگہ نہ پہنچ جائیں۔ اور بعض نے کہا کہ نہیں ہم تو نماز پڑھیں گے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ہم نماز قضا کر دیں (بلکہ مقصود تاکید تھی کہ جلدی پہنچنے کی ایسی کوشش کرو کہ عصر سے قبل وہاں پہنچ جاؤ)۔ پھر یہ قصہ آپ ﷺ کے حضور میں ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے کسی پر بھی ملامت و سزا نہیں فرمائی۔

اس واقعہ میں بعض نے قوت اجتہادیہ سے اصلی غرض سمجھ کر جو کہ دو احتمالوں

وجھوں میں سے ایک تھی نماز پڑھ لی مگر آپ ﷺ نے ان پر یہ ملامت نہیں فرمائی کہ تم نے ظاہر معنی کے خلاف کیوں عمل کیا اور ان کو بھی عمل بالحدیث کا تارک نہیں قرار دیا۔

اجتہاد کی تیسری صورت: حدیث کے حکم کی علت کو سمجھ کر اس کے مطابق عمل کرنے کی دلیل

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ رَجُلاً كَانَ يُتَّهَمُ بِأُمِّ وَلَدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ لِعَلِيٍّ اِذْهَبْ فَاضْرِبْ عُنُقَهُ فَأَتَاهُ فَإِذَا هُوَ مَجْبُوْبٌ لَيْسَ لَهُ ذَكَرٌ فَكَفَّ عَنْهُ وَأَخْبَرَ بِهِ النَّبِيَّ ﷺ فَحَسَّنَ فِعْلَهُ (مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے خاندان والوں کی ایک لونڈی ام ولد سے متہم تھا تو آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ جاؤ اس کی گردن مارو۔ حضرت علی اس کے پاس جب آئے تو اس کو دیکھا ایک کنویں میں اترا ہوا بدن کو ٹھنڈا کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا باہر نکل اس نے اپنا ہاتھ دیدیا۔ آپ نے اسے نکالا تو نظر پڑنے پر علم ہوا کہ اس کا آلہ تناسل ہی کٹا ہوا ہے۔ آپ اس کی سزا سے رک گئے اور رسول اللہ ﷺ کو خبر دی۔ آپ ﷺ نے ان کے فعل کو مستحسن فرمایا۔

اس واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کا خاص اور صاف حکم موجود تھا۔ مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو (زنا کرنے کی) علت کے ساتھ معلل سمجھا اور چونکہ اس علت کا وجود نہ پایا اس لئے سزا نہیں دی۔ اور حضور ﷺ نے اس کو جائز رکھا بلکہ پسند بھی فرمایا۔

اجتہاد کی چوتھی صورت: حدیث کا حکم جو بظاہر مطلق ہے اس کو مقید کرنے کے دلائل

عَنْ أَنَسٍ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ وَمَعَاذٌ رَدِيفُهُ عَلَى الرَّحْلِ قَالَ يَا مُعَاذُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَيْكَ وَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ مَا مِنْ أَحَدٍ يَشْهَدُ أَنْ لَّا اِلٰهَ

اِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَى النَّارِ وَقَالَ يَارُسُوْلَ اللّٰهِ أَفَلاَ أُخْبِرُ بِهِ النَّاسَ فَيَسْتَبْشِرُوْا قَالَ اِذًا يَّتَّكِلُوْا فَأَخْبَرَ بِهَا مُعَاذٌ عِنْدَ مَوْتِهٖ تَأَثُّماً (بخاری و مسلم)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ایک سواری پر سوار تھے۔آپ نے تین بار پکارنے اوران کے ہر بار میں جواب دینے کے بعد یہ فرمایا کہ جوشخص صدق دل سے شہادتین کا اقرار کرے اس کو اللہ تعالی دوزخ پرحرام فرما دیں گے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ لوگوں سے کہہ دوں تا کہ خوش ہو جائیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کیونکہ لوگ بھروسہ کر بیٹھیں گے۔ سو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے انتقال کے وقت گناہ کے خوف سے (کہ دین کا چھپانا حرام ہے) خبر دی۔

اس حدیث میں صراحت سے لوگوں کوخبر دینے کی ممانعت ہے اور ممانعت بھی مطلق ہے کسی خاص مدت یا شخص کے ساتھ مخصوص نہیں ہے مگر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے قوت اجتہادیہ سے نہی کومشورہ پرمحمول کیا اوراس کوصرف اس مدت تک مقید سمجھا جب تک لوگوں کے بھروسہ کرنے کا ڈر تھا۔

عَنْ أَبِیْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ السُّلَمِیِّ قَالَ خَطَبَ عَلِیٌّ وَفِیْهِ فَاِنَّ أَمَةً لِلنَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم زَنَتْ فَأَمَرَنِیْ أَنْ أَجْلِدَهَا فَأَتَیْتُهَا فَاِذَا هِیَ حَدِیْثَةُ عَهْدٍ بِنِفَاسٍ فَخَشِیْتُ اِنْ جَلَدْتُهَا أَنْ أَقْتُلَهَا أَوْقَالَ تَمُوْتَ فَأَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَذَكَرْتُ ذٰلِکَ لَهٗ فَقَالَ أَحْسَنْتَ (ترمذی)

ابوعبدالرحمٰن سلمی سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے خطبہ پڑھا اوراس میں یہ بھی فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان والوں کی ایک لونڈی نے بدکاری کی تھی۔ مجھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم فرمایا کہ اس کو درے لگاؤں۔ میں جو اس کے پاس آیا تو معلوم ہوا کہ اس کے ہاں ابھی قریب ہی بچہ پیدا ہوا ہے۔ مجھ کو اندیشہ ہوا کہ اس کے درے ماروں گا تو مر ہی جائے گی۔ پھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس کا ذکر کیا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم

نے فرمایا بہت اچھا کیا (ابھی اس کو چھوڑ دو یہاں تک کہ وہ تندرست ہو جائے)۔

باوجود یہ کہ حدیث میں کوئی قید نہ تھی مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دوسرے قاعدے کلیہ پر نظر کر کے قوت اجتہادیہ سے اس کو اس قدرت کے ساتھ مقید سمجھا جو سزا کا تحمل کر سکے اور اسی پر عمل کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تحسین فرمائی۔

جس شخص کو قوت اجتہادیہ حاصل نہ ہو اس کو اجتہاد کرنے کی اجازت نہیں

یہ ممکن ہے کہ ایک شخص حافظ حدیث ہو لیکن اس میں قوت اجتہادیہ نہ ہو۔ اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

1- عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أَصَابَ رَجُلاً جُرْحٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم ثُمَّ اُحْتَلَمَ فَأُمِرَ بِالْاِغْتِسَالِ فَاغْتَسَلَ فَمَاتَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ قَتَلُوْهُ قَتَلَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى أَلَمْ يَكُنْ شِفَاءُ الْعِيِّ السُّوَالَ اِنَّمَا كَانَ يَكْفِيْهِ أَنْ يَّتَيَمَّمَ وَأَنْ يَّعْصِبَ عَلٰى جَرْحِهٖ ثُمَّ يَمْسَحُ عَلَيْهَا وَيَغْسِلُ سَائِرَ جَسَدِهٖ (ابو داود)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک شخص کے کہیں زخم ہو گیا۔ پھر اس کو احتلام ہو گیا۔ ساتھیوں نے اس کے لئے غسل کا حکم دیا۔ اس نے غسل کیا اور مر گیا۔ یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ آپ نے ارشاد فرمایا ان لوگوں نے اس کو قتل کیا اللہ تعالی ان کو قتل کریں۔ کیا ناواقفیت کا علاج دریافت کرنا نہ تھا۔ اس کو تو اس قدر کافی تھا کہ تیمّم کر لیتا اور اپنے زخم پر پٹی باندھ لیتا پھر اس پر مسح کر لیتا اور باقی بدن دھو لیتا۔

ان ہمراہیوں نے اپنی رائے سے آیت قرآنی وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا کو معذور وغیر معذور دونوں کے حق میں عام اور آیت وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ الخ کو حدث اصغر کے ساتھ خاص سمجھ کر یہ فتوی دیدیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس فتوے پر رد و انکار فرمانا اس وجہ سے تو نہیں ہو سکتا کہ اجتہاد و قیاس حجت شرعیہ نہیں کیونکہ اس کا حجت اور معتبر ہونا اوپر ثابت ہو چکا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ فتویٰ دینے والے اجتہاد کی

صلاحیت وقوت نہ رکھتے تھے۔ اس وجہ سے ان کے لئے قیاس سے فتویٰ دینا جائز نہیں رکھا گیا۔

۲۔عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ ابْنَ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَأَتَهُ ثَلاثًا قَبْلَ أَنْ يَمُسَّهَا فَقَالَ عَطَاءٌ فَقُلْتُ إِنَّمَا طَلَاقُ الْبِكْرِ وَاحِدَةٌ فَقَالَ لِيْ عَبْدُاللّٰهِ إِنَّمَا أَنْتَ قَاصٍّ اَلْوَاحِدَةُ تُبِيْنُهَا وَالثَّلَاثُ تُحَرِّمُهَا حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ (مؤطا مالک)

عطاء بن یسار رحمہ اللہ سے روایت ہے ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے مسئلہ پوچھا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو صحبت سے قبل تین طلاقیں دیں۔ عطا رحمہ اللہ نے جواب دیا کہ کنواری کو ایک ہی طلاق پڑتی ہے۔ حضرت عبداللہ بولے کہ تم تو محض واعظ آدمی ہو (یعنی فتوی دینا کیا جانو) ایک طلاق سے تو وہ بائن ہو جاتی ہے اور تین طلاق سے حلالہ کرنے تک حرام ہو جاتی ہے۔

حضرت عطاء کے ان کے اتنے بڑے محدث اور عالم ہونے کے باوجود حضرت عبداللہ نے ان کے فتوے کو محض ان کی قوت اجتہادیہ کی کمی کی وجہ سے معتبر و معتدبہ نہیں سمجھا اور **إِنَّمَا أَنْتَ قَاصٌّ** (تم تو محض واعظ ہو) کہہ کر ان کے مجتہد نہ ہونے کی طرف اشارہ فرما دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ نقل روایت اور چیز ہے اور افتاء و اجتہاد علیحدہ چیز ہے۔

۳۔عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِيْ فَحَفِظَهَا وَوَعَاهَا وَأَدَّاهَا فَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ غَيْرُ فَقِيْهٍ وَرُبَّ حَامِلِ فِقْهٍ إِلٰى مَنْ هُوَ أَفْقَهُ مِنْهُ (ترمذی. ابوداؤد)

حضرت ابن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالی اس بندے کو تر و تازہ رکھیں جو میری حدیث سنے اور اس کو یاد کرے اور یاد رکھے اور دوسرے کو پہنچا دے کیونکہ علم کے بعض پہنچانے والے خود فہیم نہیں ہوتے اور بعضے ایسوں کو پہنچاتے ہیں جو اس پہنچانے والے سے زیادہ فہیم ہوتے ہیں۔

اس حدیث میں صاف تصریح ہے کہ بعض محدث حافظ الحدیث صاحب فہم نہیں ہوتے یا قلیل الفہم ہوتے ہیں۔

کیا مجتہد مطلق اب بھی پائے جاتے ہیں؟

کسی بھی دور میں قوت اجتہادیہ کا پایا جانا عقلا یا شرعا ممتنع اور محال تو نہیں ہے لیکن مشاہدہ اور تجربہ یہ بتاتا ہے کہ اتنی قوت اجتہادیہ جو کسی مجتہد مطلق میں ہونی چاہئے ایک مدت سے مفقود ہے۔ اگر اس دوران میں بھی مجتہد مطلق ہوئے ہوتے تو ان کا دعوی اور ان کے کام سامنے آتے اور وہ واقعی مجتہد ہوتے تو ان کو مجتہد مطلق ماننے سے کوئی رکاوٹ نہ تھی۔

اگر کوئی پھر بھی مجتہد مطلق ہونے کا بتکلف دعوی کرے تو اس کا امتحان بہت آسان ہے۔ وہ یہ کہ مختلف ابواب سے کوئی سے سو فرعی مسائل لیں اور مدعی سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ ان کا جواب قرآن و حدیث سے مستنبط کرے اور جن اصول پر استنباط کرے خود ان کو بھی قرآن و حدیث کی عبارت یا اشارہ سے یا دلیل عقلی شافی سے ثابت کرے۔ جب اس کے جواب مکمل ہو جائیں پھر فقہاء کے جوابات اور ان کے دلائل سے موازنہ کریں۔ دونوں کا فہم واضح ہو جائے گا۔

چنانچہ مبصرین کے نزدیک ثابت ہوا کہ چار صدی کے بعد یہ قوت مفقود ہو گئی۔ اس کی نظیر یہ ہے کہ محدثین سابقین کو جس درجہ کا حافظہ اللہ تعالی نے عطا فرمایا تھا وہ اب نہیں دیکھا جاتا۔ (اگر اللہ تعالی چاہیں اور آئندہ کوئی مجتہد مطلق ہو جائے تو جیسے ذکر ہوا یہ عقلا و شرعا محال بھی نہیں ہے۔)

اوپر جس قوت اجتہادیہ کے مفقود ہونے کا ذکر ہوا ہے وہ اس کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے یعنی وہ درجہ ہے جو مجتہد مطلق میں پایا جاتا ہے۔ اور جس سے وہ تمام حوادث و واقعات میں احکام کا استنباط کر لیتا ہے اور مستقل طور پر اصول و قواعد کی تمہید کر سکتا ہے۔

کیا اس دور میں اجتہاد کی ضرورت نہیں ہے؟

قوت اجتہادیہ کا وہ درجہ اور اس کی اتنی مقدار کے جس کہ ذریعہ مجتہد مطلق کے مقرر کئے ہوئے اصول وضوابط کی روشنی میں نئے پیش آنے والے مسائل کا حل تلاش کر سکے یا ایک دو مسئلوں میں دلائل کا موازنہ کر کے ایک شق کو ترجیح دے سکے یہ مفقود نہیں ہے۔ اور اتنی قوت اجتہادیہ والے حضرات جو متبحرین فی المذہب کہلاتے ہیں ہر دور میں ہوتے ہیں۔

نئے پیش آنے والے مسائل یا نئے حالات پیدا ہو جانے کی صورت میں کیا حل ہے؟

اس کے لئے مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

1- اپنے فقہی مذہب (اصطلاح میں اس کو مذہب کہا جاتا ہے البتہ ہمارے عوام میں اس کو مسلک کہا جاتا ہے۔ اس) کے اصولوں کی روشنی میں قرآن وحدیث سے نئے پیش آمدہ مسائل کا حل مستنبط کرنا۔

2- جن مسائل میں عرف و رواج کے تغیر سے فرق پڑتا ہے عرف و رواج کے بدل جانے کا فیصلہ علماء غور وفکر اور لوگوں کے حالات کی تفتیش سے کر سکتے ہیں۔

3- اگر شدید اجتماعی ضرورت کا تقاضا ہو تو کسی خاص مسئلہ میں کسی دوسرے امام اور مجتہد کے قول کو لیا جا سکتا ہے۔ اسی وجہ سے علمائے حنفیہ میں سے متاخرین نے اس عورت کے بارے میں جس کا شوہر لاپتہ ہو یا نامرد ہو امام مالک رحمہ اللہ کے قول کو اختیار کیا ہے۔

آج بھی جن مسائل کے بارے میں محسوس ہو کہ مسلمانوں کی کسی واقعی اجتماعی ضرورت کا تقاضا ہے تو متبحر علماء ائمہ اربعہ میں سے کسی دوسرے امام کے مسلک کو اختیار کرنے کا فیصلہ کر سکتے ہیں۔ البتہ اس کے لئے ایک تو اس بات کی احتیاط لازم ہے کہ تلفیق کی صورت پیدا نہ ہو یعنی اس مسئلہ میں اس امام کا مسلک ادھورا نہ لیا جائے بلکہ اس مسئلہ کو اس امام کے نزدیک تمام شرائط وتفصیلات سمیت لیا جائے۔ دوسرے اس

معاملہ میں انفرادی رائے پر اعتماد کرنے کے بجائے ضروری ہے کہ متبحر فی المذھب علماء کے باہمی مشورے اور اتفاق سے کوئی فیصلہ کیا جائے۔

مجتہد اعظم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ

مجتہدین بہت سے ہوئے اور سب ہی عزت و اکرام کے لائق ہیں لیکن چونکہ ہمارے علاقوں میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ عام طور سے رائج ہے اس لئے ان کا مختصر تعارف ذکر کیا جاتا ہے۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ جن کا نام نعمان بن ثابت ہے۔ سہ 80ھ میں پیدا ہوئے جو صحابہ کی موجودگی اور اعلی درجہ کی برکت کا زمانہ تھا۔ خود امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میری سات صحابہ سے ملاقات ہوئی جو یہ ہیں حضرت انس بن مالک' حضرت عبداللہ بن جزء زبیدی' حضرت جابر بن عبداللہ' حضرت معقل بن یسار' حضرت واثلہ بن اسقع اور حضرت عائشہ بنت عجرد رضی اللہ عنہم۔ اس طرح امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تابعی بھی ہوئے اور یہ وہ فضیلت ہے جو ائمہ اربعہ میں سے باقیوں کو حاصل نہیں۔

آپ کا انتقال سہ 150ھ میں ہوا۔ اس ستر سال کی عمر کا ایک بڑا حصہ آپ نے تحصیل علم میں صرف کیا۔ اسکے بعد حماد بن ابی سلیمان رحمہ اللہ کے حلقہ میں فقہ حاصل کرنے کی غرض سے گئے اور ان کی وفات تک یعنی اٹھارہ سال ان سے تفقہ حاصل کیا۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور علم حدیث

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے حدیث میں شیوخ و اساتذہ کی تعداد بے حد و شمار ہے۔ حدیث میں ان کے چار ہزار اساتذہ تو فقط تابعین تھے۔ ایک دفعہ عباسی خلیفہ ابو جعفر منصور نے جب پوچھا کہ آپ نے کس سے علم حاصل کیا تو فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے شاگردوں سے علم حاصل کیا۔ علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے تبییض الصحیفہ میں علامہ جمال الدین مزی رحمہ اللہ سے چھہتر بڑے بڑے شیوخ کا ذکر کیا ہے جن سے امام ابو حنیفہ

رحمہ اللہ نے حدیثیں حاصل کیں۔ان میں سے چند ایک یہ ہیں:

(1) ابراہیم بن محمد منتشر (2) حکم بن عتبہ (3) حماد بن ابی سلیمان (4) ربیعۃ الرائے (5) زیاد بن علاقہ (6) عاصم بن کلیب (7) عامر شعبی (8) عبدالرحمٰن بن ہرمز الاعرج (9) عطاء بن ابی رباح (10) عکرمہ مولی ابن عباس (11) قتادہ بن دعامہ (12) جعفر صادق (13) زہری (14) محمد بن منکدر (15) نافع مولی ابن عمر (16) ہشام بن عروہ (17) یحیٰی بن سعید انصاری (18) ابو اسحاق سبیعی رحمہم اللہ

مشہور محدث امام مسعر بن کدام (المتوفی 155ھ) کہتے ہیں

''میں نے ابو حنیفہ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی لیکن وہ ہم پر غالب رہے۔اور ہم زہد میں گئے تو وہ اس میں بھی ہم پر فائق ہوئے اور ہم نے ان کے ساتھ فقہ طلب کی تو اس میں ان کا کمال تم سے مخفی نہیں۔''

جرح و تعدیل کے امام یحیٰی بن سعید قطان رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

''اللہ کی قسم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس امت میں اللہ تعالی اور رسول سے جو کچھ وارد ہے اس کے سب سے بڑے عالم ہیں۔''

ملا علی قاری رحمہ اللہ امام محمد بن سماعہ رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں۔

''امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے کچھ اوپر حدیثیں ذکر کی ہیں اور چالیس ہزار حدیثوں سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے۔''

یہاں امام صاحب کی تصانیف سے مراد فقہ کی وہ باتیں اور مسائل ہیں جو امام صاحب نے ذکر کیں اور ان کے شاگردوں نے اپنی کتابوں میں جمع کیں ان ہی کے درمیان میں وہ حدیثیں مذکور ہیں۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی حدیث دانی

1- بہت بڑے محدث یزید بن ہارون رحمہ اللہ مغیرہ کے واسطہ سے امام ابراہیم نخعی کا کوئی قول سنا رہے تھے۔ایک شخص نے کہا جناب رسول ﷺ کے کچھ اقوال بیان

کیجئے۔ یزید بن ہارون نے کہا کہ اے احمق یہ رسول اللہ ﷺ کے اقوال ہی کی تفسیر ہے۔ اگر تجھے معنی معلوم نہ ہوں تو ،تو حدیث کو لے کر کیا کرے گا۔تم لوگوں کی ہمت صرف احادیث کے سن لینے کی طرف متوجہ ہے۔ اگر علم کی طرف تمہاری ہمت مبذول ہوتی تو تم حدیث کی تفسیر اور اس کے معانی بھی طلب کرتے اور ابو حنیفہ کی کتابوں اور ان کے اقوال کو دیکھتے اور تمہارے سامنے حدیث کی تفسیر منکشف ہوتی۔

2- امیر المومنین فی الحدیث امام عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ آثار و احادیث کو ضروری سمجھو مگر ان کے لئے ابو حنیفہ کی ضرورت ہے کیونکہ وہ حدیث کے معنی جانتے ہیں''

یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ ''علماء ابو حنیفہ سے مستغنی نہیں ہو سکتے۔ کچھ نہیں تو حدیث کی تفسیر میں تو ضرور ان کے محتاج ہیں۔''

3- وکیع بن جراح رحمہ اللہ محدثین سے کہا کرتے تھے کہ اے قوم تم حدیثیں طلب کرتے ہو اور ان کے معنی طلب نہیں کرتے۔ اس میں تمہاری عمر اور دین ضائع ہو جائیں گے۔ مجھے آرزو ہوتی ہے کہ ابو حنیفہ کی فقہ کا دسواں ہی حصہ مجھ میں ہوتا۔

ایک روز مجلس کے حاضرین سے انہوں نے کہا لوگو حدیث سننا بغیر فقہ کے تم کو کچھ نفع نہ دے گا۔ اور تم میں سمجھ پیدا نہ ہو گی جب تک تم اصحاب ابو حنیفہ کے ساتھ نہ بیٹھو گے اور وہ ان احادیث کی تفسیر نہ بیان کریں گے۔

ایک روز وکیع کی مجلس میں ایک حدیث پیش ہوئی جس کا مضمون مشکل تھا۔ وہ کھڑے ہو گئے اور ٹھنڈا سانس بھر کر کہا اب ندامت سے کیا فائدہ۔ کہاں ہیں وہ شیخ یعنی ابو حنیفہ جن سے یہ اشکال حل ہوتا۔

4- ایک بار اعمش رحمہ اللہ سے کسی نے چند مسئلے پوچھے۔ اس مجلس میں امام ابو حنیفہ بھی حاضر تھے۔ اعمش نے امام صاحب سے فرمایا ان مسائل میں تمہارا کیا قول ہے؟ امام صاحب نے اپنے اقوال بیان کیئے۔ اعمش نے کہا اس پر کیا دلیل ہے۔ امام

صاحب نے کہا وہی حدیثیں ہیں جو آپ سے مجھے پہنچی ہیں۔ اور چند حدیثیں سند کے ساتھ پڑھ کر سنائیں اور ان سے مسئلے کے استخراج کا طریقہ بتایا۔ اعمش نے نہایت تحسین کی اور فرمایا کئی دن میں جو میں نے روایتیں سنائیں تم نے ایک گھڑی میں وہ سب سنا دیں۔ میں نہیں جانتا تھا کہ تم ان احادیث پر عمل کرتے ہوگے۔ پھر فرمایا یَـــا مَـعَـاشِرَ الْفُقَهَاءِ أَنْتُمُ الْأَطِبَّاءُ وَنَحْنُ الصَّيَادِلَةُ یعنی اے گروہ فقہاء تم طبیب ہو اور ہم محدثین عطار ہیں (جن کے پاس دوائیں ہر قسم کی موجود رہتی ہیں مگر کسی بیماری میں ان کا استعمال نہیں کر سکتے)۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی حدیث میں ثقاہت

مشہور محدث یحییٰ بن معین کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ حدیث میں ثقہ اور عادل تھے اور تمہارا اس شخص کے بارے میں کیا خیال ہے جس کی تعدیل (اور توثیق) عبداللہ بن مبارک اور وکیع (جیسے بڑے بڑے محدثین) نے کی ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی فقہ میں امامت

1- امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اَلنَّاسُ عِيَالٌ فِي الْفِقْهِ عَلٰى أَبِي حَنِيْفَةَ یعنی لوگ فقہ میں ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے عیال ہیں۔

نیز فرماتے ہیں جو شخص امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی کتابیں نہ دیکھے اس کو نہ علم میں تبحر حاصل ہوسکتا ہے اور نہ وہ فقیہ بن سکتا ہے۔

2- وکیع رحمہ اللہ کا قول ہے کہ میں نے کوئی ایسا نہیں پایا جو ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے زیادہ فقیہ ہو۔

3- یحییٰ بن آدم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تمام اہل فقہ اور اہل بصیرت کا اتفاق ہے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے زیادہ فقیہ کوئی نہیں۔ اس کام میں انہوں نے ایسی کوشش کی کہ ان سے پہلے کسی نے نہیں کی تھی۔ اس لئے خدا تعالیٰ نے ان کو راستہ دکھلایا۔

4- عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حسن بن عمارہ رحمہ اللہ کو دیکھا

(جو کہ بڑے محدث تھے اور سفیان ثوری رحمہ اللہ کے بھی استاد تھے) کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی رکاب پکڑے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ خدا کی قسم میں نے کسی کو نہیں دیکھا جو فقہ میں آپ سے زیادہ بلیغ اور حاضر جواب ہو۔ آپ اپنے وقت کے تمام فقہاء کے سردار ہیں اور جو لوگ آپ کے بارے میں کچھ طعن کرتے ہیں وہ صرف حسد سے ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فقہی تحقیق میں طریق کار

جب امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے استاد حماد بن ابی سلیمان کا انتقال ہوا اور ان کے اصحاب نے امام صاحب کو ان کی جانشینی پر مجبور کیا تو امام صاحب نے قبول نہ کیا۔ آخر اس بات پر فیصلہ ہوا کہ ان میں سے دس صاحب ایک سال تک امام صاحب کے ساتھ رہ کر ہر مسئلہ کے فتویٰ میں تائید دیا کریں (یعنی یہ کہ یہ سب حضرات غور وفکر کر کے متفقہ فیصلے دیں گے) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس کے بعد امام صاحب نے تدوین فقہ کی بنیاد ڈالی اور ایک مجلس ایسی قائم کی جس کے اراکین محدثین تھے۔ رد المحتار میں ہے کہ تدوین فقہ کے وقت امام صاحب کے یہاں ایک ہزار علماء کا مجمع تھا جن میں چالیس علماء اس پایہ کے تھے کہ درجہ اجتہاد کو پہنچ گئے تھے۔ ان سے آپ نے فرمایا کہ دیکھو فقہ کو میں نے ضابطوں اور قاعدوں میں ضبط کر دیا ہے اب تم میری مدد کرو۔ پھر جب کوئی مسئلہ پیش ہوتا تو ان سے مشورہ کرتے اور جو کچھ آثار و احادیث ان کو یاد ہوتے سنتے اور جو خود کو یاد ہوتے ان کو بیان کرتے۔ پھر بعض مسائل میں ایک ایک مہینہ تک بحث مباحثہ ہوتا۔ جب بالاتفاق وہ مسئلہ طے ہو جاتا تو ابو یوسف رحمہ اللہ سے اس کے لکھنے کو فرما دیتے۔

ایک موقع پر بڑے محدث وکیع کے پاس چند اہل علم جمع تھے۔ کسی نے کہا اس مسئلہ میں ابوحنیفہ نے غلطی کی ہے۔ وکیع بولے کہ ابوحنیفہ کیونکر غلطی کر سکتے ہیں جب کہ ابو یوسف اور زفر قیاس میں، یحییٰ بن زائدہ، حفص بن غیاث، حبان اور مندل حدیث میں۔ قاسم بن معن لغت و عربیت میں۔ داؤد طائی اور فضیل بن عیاض زہد و تقوی میں امام ہیں۔ اس رتبہ کے لوگ جس شخص کے ساتھ ہوں وہ کہیں غلطی کر سکتا ہے اور اگر کرتا بھی

تو یہ لوگ اس کو غلطی پر رہنے دیتے۔

خطیب بغدادی رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں

ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب جو ان کے ساتھ مسائل میں مذاکرہ ومباحثہ کیا کرتے تھے یہ تھے ابو یوسف، زفر، داؤد طائی، اسد بن عمرو، عافیہ اودی، قاسم بن معن، علی بن مسہر، مندل بن علی اور حبان بن علی رحمہم اللہ۔ اور جب وہ کسی مسئلہ میں بحث وتمحیص شروع کرتے تو اگر عافیہ موجود نہ ہوتے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے کہ اس مسئلہ میں بحث عافیہ کے آنے تک ختم نہ کرو۔ جب عافیہ آ جاتے اور ان کی رائے سے وہ متفق ہو جاتے تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے اب اس مسئلہ کو لکھ لو۔ اور اگر عافیہ اتفاق نہ کرتے تو امام صاحب فرماتے یہ مسئلہ مت لکھو۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا تقویٰ اور عبادت

1- احمد بن بشر اور حفص بن غیاث کہتے ہیں کہ ہم نے جس عابد کو دیکھا حلال و حرام کے بارے میں اس کو ناقص پایا اور جس فقیہ کو دیکھا عبادت میں اس کو کم رغبت پایا سوائے ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ دونوں صفتیں کامل درجے کی دی تھیں۔

2- علامہ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ بات تواتر سے ثابت ہوئی ہے کہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کو کثرت عبادت اور تہجد و قیام لیل کی وجہ سے لوگ وتد یعنی میخ کہتے تھے اس لئے کہ ان کو جنبش ہی نہ ہوتی تھی۔

3- عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے ورع و پرہیز گاری میں ابو حنیفہ رحمہ اللہ سے بڑھا ہوا شخص نہیں دیکھا۔ ان کے ورع کی آزمائش کوڑوں اور اموال سے ہوگئی۔ یعنی باوجودیکہ عہدہ قضا قبول کرنے کے لئے کوڑے لگائے گئے مگر ان کو لغزش نہ ہوئی اور مالی امور میں تجربہ ہو گیا کہ ادنی ادنی شبہ سے احتیاط کرتے اور شبہ والے مال کو صدقہ کر دیتے تھے۔

دسواں باب

اصول تقلید

تقلید کس کو کہتے ہیں

تقلید کہتے ہیں کسی مجتہد کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا کہ یہ شرعی دلیل کے موافق بتائے گا اور اس سے دلیل کی تحقیق نہ کرنا۔

مجتہد کی تقلید اس کو شارع (شریعت دینے والا) اور احکام کا بانی سمجھ کر نہیں کی جاتی بلکہ اس کو شرعی احکام کو کھول کر بیان کرنے والا اور ان کی وضاحت کرنے والا اور اللہ اور اس کے رسول کی مراد کو ظاہر کرنے والا سمجھ کر کی جاتی ہے۔ غرض ہم مثلاً امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید کرتے ہیں تو اس بنیاد پر کرتے ہیں کہ وہ قرآن وحدیث کے بڑے عالم ہیں اور ان میں اجتہاد کی اہلیت ہے اور وہ ہمیں جو حکم بتاتے ہیں قرآن وحدیث سے استنباط کر کے بتاتے ہیں قرآن وحدیث کو چھوڑ کر اپنی طرف سے نہیں بناتے۔

تقلید کے جواز کے دلائل

1- عَنِ الْأَ سْوَدِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ أَتَانَا مُعَاذٌ بِالْيَمَنِ مُعَلِّمًا وِأَمِيْرًا فَسَأَلْنَاهُ عَنْ رَجُلٍ تُوُفِّيَ وَتَرَكَ بِنْتاً وَأُخْتًا فَقَضٰى لِابْنَةِ بِالنِّصْفِ وَلِلْأُخْتِ بِالنِّصْفِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم حَيٌّ (بخاری)

اسود بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ہمارے یہاں احکام دین کے معلم اور حاکم بن کر یمن میں آئے۔ ہم نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص مر گیا اور اس نے ایک بیٹی اور ایک بہن وارث چھوڑی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نصف کا بیٹی کے لئے اور نصف کا بہن کے لئے حکم فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت زندہ تھے۔

اس واقعہ میں سائل نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے دلیل دریافت نہیں کی اور محض ان

کی دینداری پر اعتماد کر کے ان کے بتائے ہوئے مسئلہ کو قبول کرلیا اور یہی تقلید ہے اور اس پر رسول ﷺ کی جانب سے کوئی انکار ثابت نہیں۔

2- عَنْ مَالِکٍ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ عُمَرَ ؓ سُئِلَ فِيْ رَجُلٍ أَسْلَفَ طَعَامًا عَلٰى أَنْ يُّعْطِيَهُ اِيَّاهُ فِيْ بَلَدٍ آخَرَ فَكَرِهَ ذٰلِکَ عَمَرُ وَ قَالَ فَأَيْنَ كِرَاءُ الْحَمْلِ (مالک)

امام مالک سے مروی ہے کہ ان کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عمر ؓ سے ایک شخص کے مقدمہ میں دریافت کیا گیا کہ اس نے کچھ غلہ اس شرط پر کسی کو قرض دیا کہ وہ شخص اس کو دوسرے شہر میں ادا کرے۔ حضرت عمر ؓ نے اس کو ناپسند کیا اور فرمایا بار برداری کا کرایہ کہاں گیا۔

چونکہ اس مسئلہ میں نبی ﷺ سے کوئی صریح حدیث نہیں ہے لہذا یہ جواب قیاس سے تھا۔ اور چونکہ جواب کی دلیل نہ حضرت عمر ؓ نے بتائی نہ سائل نے پوچھی اور دلیل دریافت کئے بغیر مسئلہ قبول کرلیا۔ یہی تقلید ہے۔

3- عَنْ عُبَيْدِ بْنِ أَبِيْ صَالِحٍ قَالَ بِعْتُ بُرًّا مِنْ أَهْلِ دَارِ نَخْلَةَ اِلٰى أَجَلٍ فَأَرَدْتُ الْخُرُوْجَ اِلَى الْكُوْفَةِ فَعَرَضُوْا عَلَيَّ أَنْ أَضَعَ لَهُمْ وَيَنْقِدُوْنِيْ فَسَأَلْتُ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ فَقَالَ لَا آمُرُکَ أَنْ تَفْعَلَهُ وَلَا أَنْ تَاكُلَ هٰذَا وَتُوْكِلَهُ (مالک)

عبید بن ابی صالح کہتے ہیں کہ میں نے دار نخلہ والوں کے ہاتھ کچھ گیہوں فروخت کئے اور داموں کے لئے ایک معیاد مقرر کر دی۔ پھر میں نے کوفہ جانا چاہا تو ان لوگوں نے مجھ سے اس بات کی درخواست کی کہ میں ان کو کچھ دام چھوڑ دوں اور وہ لوگ مجھ کو فوری ادائیگی کر دیں۔ میں نے حضرت زید بن ثابت ؓ سے سوال کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ نہ میں اس فعل کی تم کو اجازت دیتا ہوں اور نہ اس کے لینے کی اور نہ اس کے دینے کی۔

اس واقعہ میں عبید ابن ابی صالح نے حضرت زید بن ثابت ؓ سے مسئلہ کی دلیل

نہیں پوچھی۔ یہی تقلید ہے۔

تقلید شخصی (یعنی تمام مسائل میں صرف ایک مجتہد کی تقلید) کی مشروعیت

عَنْ هُزَيْلِ بْنِ شُرَحْبِيْلٍ فِيْ حَدِيْثٍ طَوِيْلٍ مُخْتَصَرُهُ قَالَ سُئِلَ أَبُوْ مُوْسٰى ثُمَّ سُئِلَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ وَأُخْبِرَ بِقَوْلِ أَبِيْ مُوْسٰى فَخَالَفَهُ ثُمَّ أُخْبِرَ أَبُوْ مُوْسٰى بِقَوْلِهِ فَقَالَ لَا تَسْأَلُوْنِيْ مَا دَامَ هٰذَا الْحِبْرُ فِيْكُمْ (بخاری).

اس طویل حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابو موسیٰ ﷛ سے ایک مسئلہ پوچھا گیا۔ پھر وہی مسئلہ حضرت ابن مسعود ﷛ سے پوچھا گیا اور حضرت ابو موسیٰ ﷛ کا فتویٰ بھی ان کو بتایا گیا حضرت ابن مسعود ﷛ نے اور طور سے فتویٰ دیا۔ پھر ان کے فتوے کی خبر جب حضرت ابو موسیٰ کو دی گئی تو انہوں نے فرمایا کہ جب تک یہ متبحر عالم تم لوگوں میں موجود ہیں تم مجھ سے مت پوچھا کرو۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷛ کے اس فرمانے سے کہ ان کے ہوتے ہوئے مجھ سے مت پوچھو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ ہر مسئلہ میں ان سے پوچھنے کے لئے فرمایا ہے اور یہی تقلید شخصی ہے۔

اس زمانہ میں تقلید شخصی ضروری ہے

تقلید شخصی کے ضروری ہونے کے معنی

کسی شے کا ضروری اور واجب ہونا دو طرح سے ہوتا ہے۔

ایک یہ کہ قرآن وحدیث میں خصوصیت کے ساتھ کسی کام کی تاکید کی گئی ہو جیسے نماز، روزہ وغیرہ۔ ایسی ضرورت کو وجوب بالذات کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کام کی خود تو کہیں تاکید نہیں آئی مگر جن امور کی قرآن وحدیث میں تاکید آئی ہے ان پر عمل کرنا

اس کام کو پورا کئے بغیر عادۃ ممکن نہ ہو اس لئے اس کام کو بھی ضروری کہا جائے گا۔ ایسی ضرورت کو وجوب بالغیر کہتے ہیں۔

مثلاً قرآن و حدیث کو جمع کر کے لکھنا اس کی شریعت میں کہیں بھی تاکید نہیں آئی بلکہ ایک حدیث میں خود کتابت ہی کے واجب نہ ہونے کی تصریح فرمادی۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّا اُمَّۃٌ اُمِّیَّۃٌ لَا نَکْتُبُ وَلَا نَحْسُبُ (مسلم).

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم تو ایک امی امت ہیں حساب جانیں نہ کتاب۔

تو جب مطلق کتابت واجب نہیں تو قرآن و حدیث کی کتابت کیسے واجب ہو گی۔ لیکن قرآن و حدیث کو محفوظ رکھنے اور ان کو ضائع ہونے سے بچانے پر تاکید آئی ہے۔ اور تجربہ اور مشاہدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ خاص طور سے جب سے حافظے کم ہو گئے کتابت کے بغیر حفاظت عادۃً ممکن نہیں۔ اس لئے قرآن و حدیث کے لکھنے کو ضروری سمجھا جائے گا۔ لیکن یہ وجوب بالغیر ہے کیونکہ غیر جو کہ خود قرآن و حدیث کی حفاظت ہے اب اس پر موقوف ہے۔

اسی طرح تقلید شخصی بھی واجب بالغیر ہے کیونکہ غیر جو کہ وہ امور ہیں جن کی قرآن وحدیث میں تاکید آئی ہے وہ تقلید شخصی پر موقوف ہیں اور جیسے قرآن و حدیث کی کتابت کے وجوب کے لئے دلیل کے طور پر قرآن کی آیت یا حدیث کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا اسی طرح تقلید شخصی کے وجوب کے لئے بھی خاص قرآن و حدیث سے دلیل کا مطالبہ نہیں کیا جا سکتا۔

وہ امور واجبہ کہ جن میں اس زمانہ میں تقلید شخصی نہ کرنے سے خلل پڑتا ہے

1- علم وعمل کا خالص دین کے لئے ہونا۔

2- خواہش نفسانی پر دین کا غالب رہنا یعنی خواہش کو دین کے تابع بنانا دین کو اس

کے تابع نہ بنانا۔

3- ایسے امر سے بچنا جس میں اپنے دین کے ضرر کا قوی اندیشہ ہو۔

4- اہل حق کے اجماع کی مخالفت نہ کرنا۔

5- احکام شرعیہ کے دائرہ سے نہ نکلنا۔

ان امور کا واجب اور ضروری ہونا بالکل واضح ہے دلائل لکھنے کی حاجت نہیں۔

تقلید شخصی نہ کرنے سے مذکورہ امور واجبہ میں خلل پڑنے کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ تجربہ اور مشاہدہ کی بات ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ موجودہ زمانے میں اکثر طبائع میں فساد وغرض پرستی غالب ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور ان احادیث میں اس کی خبر دی گئی ہے جن میں آئندہ آنے والے فتنوں کا ذکر ہے۔

اگر تقلید شخصی نہ کی جائے تو تین صورتیں پیش آئیں گی

پہلی صورت

بعض لوگ اپنے کو مجتہد سمجھ کر قیاس کرنے لگیں گے حالانکہ ان میں اس کی اہلیت نہیں ہوگی۔

اس صورت میں جب اجتہاد عام ہوگا تو احکام میں جس قدر تحریف پیش آئے تعجب نہیں مثلاً جس طرح گزشتہ مجتہدین نے قوت اجتہادیہ سے بعض نصوص کو معلل سمجھا یعنی نص میں موجود حکم کو ایک مخصوص علت پر مبنی سمجھا اور وہ سمجھنا معتبر ومقبول تھا اسی طرح اس دور میں بعض لوگوں نے یہ کہا کہ وضو کے وجوب کو ہم معلل سمجھتے ہیں اور علت اس کی یہ ہے کہ عرب کے لوگ اکثر اونٹ اور بکریاں چرایا کرتے تھے اور ان کے ہاتھ اکثر چھینٹ میں آلودہ ہو جاتے تھے اور وہی ہاتھ منہ کو لگ جاتا تھا۔ اس لئے ان کو وضو کا حکم دیا گیا تھا تاکہ سب اعضاء پاک اور صاف ہو جائیں اور اس کا قرینہ یہ ہے کہ وضو میں وہی اعضاء دھوئے جاتے ہیں جو اکثر اوقات کھلے رہتے ہیں اور ہم چونکہ روزانہ غسل کرتے ہیں، محفوظ عمارتوں میں آرام سے بیٹھے رہتے ہیں، ہمارا بدن خوب پاک صاف

رہتا ہے اس لئے ہم پر وضو واجب نہیں بلا وضو نماز پڑھ لینا جائز ہے حالانکہ اس میں اجماع کی مخالفت لازم آتی ہے۔

دوسری صورت

اجتہاد کو مطلقاً ناجائز سمجھ کر نہ خود اجتہاد کریں گے نہ کسی کے اجتہاد پر عمل کریں گے صرف ظاہر حدیث پر عمل کریں گے اس صورت میں خرابیاں یہ ہیں:

1- جن مسائل کے بارے میں قرآن و حدیث میں صراحت نہیں ہے ان میں اپنے یا غیر کے اجتہاد پر تو اس لئے عمل نہیں کر سکتے کہ اس کو ناجائز سمجھتے ہیں اور صراحۃً انکا حکم نصوص میں مذکور نہیں۔ لہٰذا ان مسائل میں ترک عمل لازم آئے گا۔ اور چونکہ کوئی بھی مسئلہ فی نفسہ شریعت کے احکام کے دائرہ سے خارج نہیں لہٰذا اس صورت میں شریعت کے احکام کے دائرہ سے نکلنا لازم آئے گا۔

2- بعض احادیث کے ظاہری معنی پر عمل یقیناً جائز نہیں ہے جیسے یہ حدیث ہے

صَلّٰى الظُّهُرَ وَالْعَصْرَ جَمِيْعًا وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ جَمِيْعًا مِنْ غَيْرِ خَوْفٍ وَلَا سَفَرٍ (مسلم)

رسول اللہ ﷺ نے نماز پڑھی ظہر اور عصر ایک ساتھ جمع کر کے اور مغرب اور عشاء ایک ساتھ جمع کر کے بغیر خوف کے اور بغیر سفر کے۔

حالانکہ بلا عذر ایک وقت میں حقیقتاً جمع کرنا (یعنی مثلاً ظہر اور عصر کی نمازوں کو ظہر کے وقت میں پڑھنا جیسا ظاہر حدیث سے مفہوم ہوتا ہے) کسی کے نزدیک جائز نہیں اس لئے اس میں قوت اجتہادیہ سے تاویل کی جاتی ہے۔ پس اگر ان احادیث کے ظاہر پر عمل کیا جائے تو اجماع کی مخالفت لازم آئے گی۔

تیسری صورت:

مشکل مسائل میں ائمہ کی بلا تعیین تقلید کریں۔ یعنی کبھی ایک مجتہد کے فتوے پر عمل کر لیا کبھی دوسرے کے فتوے کو لے لیا۔ اس صورت کی خرابیاں یہ ہیں:

ا۔ بعض حالتوں میں اجماع کی مخالفت لازم آئے گی۔ مثلاً ایک شخص نے وضو کیا پھر خون نکلوایا جس سے امام ابو حنیفہ کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کہا کہ میں امام شافعی کا فتویٰ لیتا ہوں کہ خون نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹا۔ اس کے بعد عورت کو شہوت سے ہاتھ لگایا جس سے امام شافعی کے نزدیک وضو ٹوٹ جاتا ہے اور کہا کہ میں اس میں امام ابو حنیفہ کا فتویٰ لیتا ہوں کہ اس سے وضو نہیں ٹوٹتا اور نیا وضو کئے بغیر نماز پڑھ لی۔

چونکہ اس شخص کا وضو بالاجماع ٹوٹ چکا ہے گو سبب مختلف ہو اس لئے سب کے نزدیک اس کی نماز باطل ہوئی۔ پس اس سے اجماع کی مخالفت ہوئی۔

2- چونکہ نفوس میں غرض پرستی کا غلبہ ہے لہٰذا اس کی وجہ سے اختلافی مسائل میں نفس اسی قول کو لے گا جو اس کی خواہش کے موافق ہو اور اس میں غرض دنیوی حاصل ہوتی ہو۔ پس اس قول کو دین سمجھ کر نہ لے گا بلکہ خاص غرض یہی ہو گی کہ اس میں مطلب نکلے تو یہ شخص ہمیشہ دین کو خواہش نفسانی کے تابع بنائے رکھے گا۔ اور ظاہر ہے کہ ایسے شخص کی نیت عمل میں اور مسئلہ کی تحقیق میں یہی ہو گی کہ حظ نفس اور دنیوی غرض حاصل ہو۔ لہٰذا اگر ایک امام کا قول اس کی مصلحت کے موافق نہ ہو گا تو دوسرے امام کا قول تلاش کرے گا۔ غرض علم دین اور عمل دین دونوں میں اس کی نیت خالص اور طلب رضائے حق نہ ہو گی۔

اور جس شخص کا نفس اس آزادی کا خوگر ہو جائے تو کچھ عرصے میں اس آزادی کا فروع سے اصول دین تک پہنچ جانا جو صریح ضرر دین ہے بعید نہیں بلکہ غالب و قریب ہے۔

مذکورہ بالا کلام سے یہ بات بخوبی واضح ہو گئی کہ ترک تقلید شخصی سے مذکورہ پانچ امور واجبہ میں بلاشبہ خلل واقع ہوتا ہے۔

تقلید شخصی کے وجوب کے عام ہونے پر شبہ اور اس کا جواب

شبہ:

اوپر کی تقریر میں تصریح کی گئی ہے کہ اکثر طبائع کی حالت ایسی ہے کہ تقلید شخصی کے بغیر وہ مفاسد میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو یہ وجوب بھی ان ہی اکثر کے اعتبار سے ہونا چاہیئے عام فتویٰ وجوب کا کیوں دیا جاتا ہے؟

جواب:

یہ قاعدہ ہے کہ انتظامی احکام میں جو مفاسد سے بچانے کے لئے ہوں اعتبار اکثر ہی کا کیا جاتا ہے اور اکثر کی حالت پر نظر کر کے حکم عام دیا جاتا ہے اور یہی معنی ہیں فقہاء کے اس قول کے کہ جس کام کی اجازت میں عوام کے کسی باطل بات میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو وہ خواص کے حق میں بھی مکروہ ہو جاتا ہے۔ اس قاعدہ کی تائید ان حدیثوں سے ہوتی ہے:

1- عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ حِيْنَ أَتَاهُ عُمَرُ فَقَالَ اِنَّا نَسْمَعُ أَحَادِيْثَ مِنْ يَهُوْدٍ تُعْجِبُنَا أَ فَتَرٰى أَنْ نَكْتُبَ بَعْضَهَا فَقَالَ أَ مُتَهَوِّكُوْنَ أَنْتُمْ كَمَا تَهَوَّكَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى (احمد).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم لوگ یہود سے بہت سی ایسی باتیں سنتے ہیں جو اچھی معلوم ہوتی ہیں کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ بعض باتیں لکھ لیا کریں۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم بھی یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے دین میں متحیر ہونا چاہتے ہو۔

چونکہ ان مضامین کو لکھنے میں اکثر لوگوں کی خرابی کا اندیشہ تھا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے عام ممانعت فرما دی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے صاحب فہم اور دین میں پختہ شخص کو بھی اجازت نہ دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس بات میں فتنہ عامہ ہو اس کی اجازت خواص کو بھی نہیں دی جاتی۔

2- عَنْ شَقِيْقٍ قَالَ كَانَ عَبْدُاللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ يُذَكِّرُ النَّاسَ فِيْ كُلِّ خَمِيْسٍ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ يَا أَبَا عَبْدِ الرَّحْمٰنِ لَوَدِدْتُ أَنَّكَ ذَكَّرْتَنَا فِيْ كُلِّ يَوْمٍ

قَالَ أَمَّا إِنَّهٗ يَمْنَعُنِیْ مِنْ ذٰلِکَ أَنِّیْ أَکْرَہُ أَنْ أُمِلَّکُمْ وَإِنِّی أَتَخَوَّلُکُمْ بِالْمَوْعِظَۃِ کَمَا کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ یَتَخَوَّلُنَا بِھَا مَخَافَۃَ السَّآمَۃِ عَلَیْنَا. (بخاری ومسلم)

شقیق رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہر جمعرات کو ہمیں وعظ سناتے تھے۔ ایک شخص نے عرض کیا ہمارا جی چاہتا ہے کہ آپ ہر روز وعظ فرمایا کریں۔ آپ نے فرمایا مجھ کو یہ امر مانع ہے کہ میں پسند نہیں کرتا کہ میں تم کو اکتاہٹ میں ڈالوں اس لئے وقتاً فوقتاً وعظ سے خبرگیری کرتا رہتا ہوں جیسا رسول اللہ ﷺ بھی ہم لوگوں کے اکتا جانے کے اندیشہ سے وقتاً فوقتاً (یعنی کچھ ناغہ کرکے) وعظ سے خبر گیری فرمایا کرتے تھے۔

ظاہر ہے کہ سننے والوں میں سب تو اکتانے والے نہیں تھے چنانچہ خود سائل کا شوق سوال سے معلوم ہوتا ہے لیکن اکثر طبائع کی حالت کا اعتبار کرکے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے سب کے ساتھ ایک ہی معاملہ کیا اور یہی عادت رسول ﷺ کی بیان کی۔

مذاہب اربعہ کی تخصیص اور پھر ان میں سے بھی مذہب حنفی کی تخصیص کی وجہ؟

جب اوپر ثابت ہو گیا کہ تقلید شخصی ضروری ہے اور مختلف اقوال لینے میں بہت سی خرابیاں ہیں تو ضروری ہوا کہ ایسے مجتہد کی تقلید کی جائے جس کا مذہب اصول اور فروع دونوں کے اعتبار سے ایسا مدون و منضبط ہو کہ قریب قریب سب سوالات کا جواب اس میں جزئی صورت میں یا کلی صورت میں مل سکے تاکہ دوسرے مجتہدین کے اقوال کی طرف رجوع نہ کرنا پڑے۔ اور یہ بات منجانب اللہ ہے کہ یہ صفت مذاہب اربعہ کے علاوہ کسی اور مذہب کو حاصل نہیں ہے۔ لہذا ضروری ہوا کہ ان ہی میں سے کسی مذہب کو

اختیار کیا جائے کیونکہ ان کے علاوہ کسی اور پانچویں مذہب کو اختیار کرنے میں پھر وہی خرابی پیدا ہوگی کہ جن سوالات کا جواب اس میں نہ ملے گا اس کے لئے دوسرے مذہب کی طرف رجوع کرنا پڑے گا تو نفس کو وہی آزادی کی عادت پڑے گی جس کا فساد اوپر مذکور ہوا۔ یہ وجہ ہے مذاہب اربعہ میں انحصار کی اور اسی بنا پر مدت سے اکثر علمائے امت کا یہی تعامل اور توارث چلا آ رہا ہے حتی کہ بعض علماء نے ان مذاہب اربعہ میں اہل سنت والجماعت کے منحصر ہونے پر اجماع نقل کیا ہے۔

رہی یہ بات کہ اور مذاہب اس طرح سے کیوں مدون نہیں ہوئے؟ اس کے اسباب کی تحقیق یہاں ضروری نہیں۔ خواہ اس کے اسباب کچھ ہی ہوئے ہوں مگر ہم جب ایسے وقت میں موجود ہیں کہ ہم سے پہلے ہمارے کسی اختیاری فعل کے بغیر اور مذاہب مدون نہیں ہیں ہمارے لئے انہی چار میں انحصار ثابت ہو گیا۔

رہی دوسری بات کہ پھر مذہب حنفی ہی کو کیوں اختیار کیا جائے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہم ایسے مقام پر ہیں جہاں ہمارے عمل و دخل کے بغیر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہی کا مذہب شائع ہے اور اس مذہب کے علماء اور کتابیں موجود ہیں۔ اگر ہم دوسرا مذہب اختیار کریں تو مسائل کے احکام کا معلوم ہونا مشکل ہے کیونکہ علماء جس درجہ اپنے مذہب سے واقف ہیں دوسرے مذہب پر اس قدر وسیع و دقیق نظر نہیں رکھ سکتے۔

رہا یہ کہ جہاں سب مذاہب شائع ہیں وہاں تو یہ مسئلہ بھی نہیں ہے۔ وہاں جا کر کیوں حنفی بنے رہیں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ پہلے سے مذکورہ ضرورت کی وجہ سے اس مذہب پر عمل کر رہے ہیں اب دوسرا مذہب اختیار کرنے میں اسی تقلید شخصی کا ترک لازم آتا ہے جس کی خرابیوں کا بیان ہو چکا ہے۔

رہا یہ کہ ایسے مقامات میں پہنچنے کے بعد اب سے پہلا مذہب بالکل ہی چھوڑ دیا جائے اور کسی دوسرے مذہب کی تقلید شخصی اختیار کر لی جائے کہ سب واقعات میں اسی مذہب پر عمل ہوا کرے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ آخر پہلا مذہب ترک کرنے کی کوئی وجہ

تو متعین ہونی چاہئے۔ جس شخص کو قوت اجتہاد یہ حاصل نہ ہو وہ ایک مذہب کو دوسرے پر ترجیح کیونکر دے سکتا ہے۔ اور اگر کوئی تھوڑا بہت سمجھ بھی سکتا ہو تو اس کے ارتکاب میں عوام الناس جو خواہش نفسانی کے تابع ہوتے ہیں ان کی ترک تقلید کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور اوپر بیان ہو چکا ہے کہ جو بات عوام کے لئے باعث فساد ہو اس سے خواص کو بھی روکا جاتا ہے۔ اور یہ بنیاد ہے علماء کے اس قول کی کہ ایک فقہی مسلک کو چھوڑ کر دوسرے فقہی مسلک کو اختیار کرنا منع ہے۔

جو شخص آج ہی اسلام قبول کرے یا ترک تقلید چھوڑ کر تقلید اختیار کرے تو اسکے لئے مذہب حنفی کی ترجیح کی کیا وجہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ شخص ایسی جگہ ہے جہاں فقط مذہب حنفی شائع ہے تب تو یہی بات اس کے لئے مذہب حنفی کو اختیار کرنے کی ترجیح کا باعث ہوگی۔ اور اگر وہ ایسے مقام پر ہے جہاں چند مذاہب شائع ہیں تو اس کو اختیار ہے جس مذہب کو چاہے اختیار کرے مگر پھر اسی کا پابند رہے۔

تقلید پر چند شبہات اور ان کے جواب

پہلا شبہ

قرآن پاک کی اس آیت میں تقلید کی مذمت آئی ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآءُ هُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ. (سورہ لقمان: 21)

جب ان کفار سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو ان احکام کی جو اللہ تعالی نے نازل فرمائے ہیں تو وہ (جواب میں) کہتے ہیں کہ نہیں، ہم تو اسی طریقے کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء واجداد کو پایا ہے۔ (اللہ تعالی بطور رد کے فرماتے ہیں) کیا ہر حالت میں اپنے آباء واجداد ہی کی پیروی کرتے رہیں گے اگرچہ ان کے آباء واجداد نہ کچھ دین کو سمجھتے ہوں نہ حق کی راہ پاتے ہوں۔

پس معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے اپنے بزرگوں کے طریقہ پر

چلنا برا ہے۔

جواب

اس آیت کے ترجمہ ہی سے معلوم ہوسکتا ہے کہ کفار کی تقلید سے ائمہ مجتہدین کی تقلید کو کچھ مناسبت نہیں ہے کفار کی تقلید کی مذمت میں دو وجہیں بتائی گئی ہیں۔

اول یہ کہ وہ آیات و احکام الہیہ کو رد کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان کو نہیں مانتے بلکہ اپنے بزرگوں کا اتباع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے وہ بزرگ عقل، دین اور ہدایت سے خالی تھے۔

اس کے برعکس ائمہ مجتہدین کی تقلید میں یہ دونوں وجہیں موجود نہیں۔ نہ تو کوئی مقلد یہ کہتا ہے کہ ہم آیات و احادیث کو نہیں مانتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ دین ہمارا آیت و حدیث ہی ہے مگر ہم بے علم یا کم علم ہیں یا ہم میں اجتہاد کی قوت و صلاحیت نہیں ہے اور ہم فلاں مجتہد جو قرآن و حدیث کے علوم میں بڑے ماہر تھے اور ہدایت و تقویٰ کے اونچے مرتبے پر تھے ان کی مہارت دینیہ پر اعتماد کرتے ہوئے آیات و احادیث کا مطلب ان سے سمجھتے ہیں۔ غرض ہمارا عمل تو قرآن و حدیث پر ہے لیکن ان کے بتلانے کے موافق۔

دوسرا شبہ

ائمہ مجتہدین کے بتائے ہوئے بعض مسائل حدیث کے خلاف ہیں۔ ان میں کیوں تقلید کی جاتی ہے؟

جواب

کسی مسئلہ کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ حدیث کے مخالف ہے اس سے پہلے تین باتوں کو حاصل کرنا ضروری ہے۔

1- اس مسئلہ کی مراد صحیح معلوم ہو۔

2- اس کی دلیل پر اطلاع ہو۔

3- وجہ استدلال کا علم ہو یعنی یہ معلوم ہو کہ دلیل سے اس مسئلہ کو کس طریقے سے حاصل کیا گیا ہے۔

اگر کسی مسئلہ میں ان تین میں سے کوئی ایک بات بھی حاصل نہ ہوگی تو اس مسئلہ کو حدیث کے مخالف کہنا صحیح نہ ہوگا۔ ان تین باتوں کو اب ہم تفصیل سے مثالوں سے واضح کرتے ہیں۔

مسئلہ کی صحیح مراد کے معلوم ہونے کی ضرورت

اس کے بارے میں یہ مثال ہے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول مشہور ہے کہ نماز استسقار سنت نہیں ہے اور یہ قول بظاہر حدیث کے مخالف ہے کیونکہ احادیث میں نماز استسقاء رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہے۔ لیکن امام صاحب کے اس قول کی مراد یہ نہیں ہے کہ نماز استسقاء رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ نماز استسقاء سنت مؤکدہ نہیں ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کبھی نماز پڑھ کر بارش کی دعا کی اور کبھی بغیر نماز کے دعا فرمادی جیسا کہ بخاری شریف میں یہ حدیث ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ بَيْنَمَا النَّبِيُّ ﷺ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ إِذْ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكَ الْكُرَاعُ وَهَلَكَ الشَّاءُ فَادْعُ اللّٰهَ أَنْ يُسْقِيَنَا فَمَدَّ يَدَيْهِ وَدَعَا (بخاری)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعہ کے روز خطبہ ارشاد فرما رہے تھے ایک شخص نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ گھوڑے اور بکریاں سب ہلاک ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ بارش نازل فرما دیں۔ آپ نے دونوں ہاتھ پھیلا کر دعا فرمائی۔

غرض صحیح مراد کے واضح ہو جانے کے بعد امام صاحب کے قول کے حدیث کے مخالف ہونے کا شبہ نہیں رہا۔

دلیل پر اطلاع ہونے کی ضرورت

یہ اس وجہ سے ہے کہ کبھی ایک مسئلہ میں مختلف حدیثیں آئی ہیں کسی نے ایک حدیث کو دیکھ کر مخالفت کا حکم کر دیا حالانکہ مجتہد نے دوسری حدیث سے استدلال کیا ہے اور اس حدیث کے مناسب حال معنی بتائے ہیں (بالفاظ دیگر اس حدیث میں تاویل کی ہے) مثلاً

1- امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ امام کے پیچھے مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنے سے منع کرتے ہیں جبکہ بعض حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کو بھی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھنی چاہئے جیسے

i- عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَءْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ (بخاری و مسلم)

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس شخص نے سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔

ii- عَن عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ كُنَّا خَلْفَ رَسُوْلِ اللّٰه صلی اللہ علیہ وسلم فِیْ صَلٰوةِ الْفَجْرِ فَقَرَأَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم فَثَقُلَتْ عَلَيْهِ الْقِرَاءَ ةُ فَلَمَّا فَرَغَ قَالَ لَعَلَّكُمْ تَقْرَءُوْنَ خَلْفَ إِمَا مِكُمْ قُلْنَا نَعَمْ هَذًّا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا تَفْعَلُوْا إِلَّا بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ فَإِنَّهُ لَا صَلَاةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِهَا (ترمذی و ابو داؤد).

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم فجر کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے تھے آپ نے قراءت کی تو قراءت کرنا آپ پر دشوار ہوا۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شاید کہ تم اپنے امام کے پیچھے قراءت کرتے ہو۔ لوگوں نے جواب دیا کہ جی ہاں ہم جلدی جلدی پڑھ لیتے ہیں۔ آپ نے فرمایا قراءت نہ کرو سوائے سورہ فاتحہ کے کیونکہ جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

ان حدیثوں کو دیکھ کر امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بارے میں خیال ہو سکتا ہے کہ

انہوں نے حدیث کے خلاف مسئلہ اختیار کیا ہے لیکن ان کے دلائل کو دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مسئلے کی بنیاد بھی قرآن وحدیث ہے۔

i- قرآن پاک میں ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا (سورہ اعراف: 204)

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مفسرین کا اس پر اجماع و اتفاق ہے کہ یہ آیت نماز کے بارے میں نازل ہوئی۔ (یعنی یہ نماز کے اندر قراءت کے بارے میں حکم کو بھی شامل ہے)۔

ii- عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِ مَامُ لِیُؤْتَمَّ بِهٖ فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوْا وَ اِذَا قَرَأَ فَأَنْصِتُوْا (بخاری و مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا امام تو محض اس لئے ہے کہ اس کی اقتداء کرو۔ تو جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو اور جب وہ قراءت کرے تو تم خاموش رہو۔

اس حدیث میں مطلق خاموش رہنے کا حکم ہے یہ قید نہیں ہے کہ جب امام آواز سے پڑھے تو خاموش رہو۔ اور اس حدیث میں نہ سورہ فاتحہ کی قید ہے نہ کسی اور سورت کی۔ لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ امام جب بھی قراءت کرے خواہ آواز سے یا آہستہ اور قراءت خواہ سورہ فاتحہ کی ہو یا کسی اور سورت کی ہر حال میں خاموش رہو۔

رہی یہ حدیث کہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی تو ایک اور حدیث ہے۔

iii-عَنْ جَابِرٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ كَانَ لَهٗ اِمَامٌ فَقِرَاءَةُ الْإِمَامِ لَهٗ قِرَاءَةٌ (مؤطا امام محمد).

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو امام کے پیچھے ہو تو امام کی قراءت اس کی بھی قراءت میں شمار ہوتی ہے۔

چونکہ امام سورہ فاتحہ بھی پڑھتا ہے لہذا اس کے مقتدی کی نماز بھی بغیر فاتحہ کے

نہیں ہوئی۔

رہی حضرت عبادہ بن صامت ﷛ کی مذکورہ بالا دوسری حدیث تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے لوگ نبی ﷺ کے پیچھے سورہ فاتحہ اور دوسری سورت دونوں پڑھتے تھے۔ آپ نے سورہ فاتحہ کو برقرار رکھا اور دوسری سورت پڑھنے سے منع فرما دیا۔ بعد میں **مَنْ كَانَ لَهُ اِمَامٌ فَقِرَاءةُ الْإِمَامِ لَهُ قِرَاءَةٌ** (جو امام کے پیچھے ہو تو امام کی قراءت اس کی قراءت بھی ہوگی) کا ضابطہ بیان کر کے امام کے پیچھے مقتدی کو سورہ فاتحہ پڑھنے سے بھی منع فرما دیا۔ اس بات کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

عَنْ وَهْبِ بْنِ كَيْسَانَ أَنَّهُ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ ﷛ يَقُوْلُ مَنْ صَلّٰى رَكْعَةً لَمْ يَقْرَأْ فِيْهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ فَلَمْ يُصَلِّ إِلَّا وَرَاءَ الْإِمَامِ (موطا امام مالک)

وہب بن کیسان رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت جابر بن عبداللہ ﷛ نے فرمایا جس نے نماز میں سورہ فاتحہ نہیں پڑھی اس نے نماز ہی نہیں پڑھی الا یہ کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔

2- امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا یعنی ہاتھوں کو کانوں تک اٹھانا سنت ہے لیکن رکوع میں جاتے ہوئے یا رکوع سے اٹھتے ہوئے رفع یدین نہیں کرنا چاہئے اور ترک رفع ہی اس موقع پر سنت ہے۔

جبکہ مندرجہ ذیل حدیث سے رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین ثابت ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ﷛ کہتے ہیں۔

إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ إِذَا افْتَتَحَ الصَّلٰوةَ وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوْعِ وَ إِذَا رَفَعَ رَاسَهُ مِنَ الرُّكُوْعِ رَفَعَهُمَا كَذٰلِكَ اَيْضًا (بخاری و مسلم)

رسول اللہ ﷺ جب نماز شروع فرماتے تو اپنے دونوں ہاتھ اپنے مونڈھوں تک اٹھاتے اور جب آپ رکوع میں جانے کے لئے تکبیر کہتے اور جب رکوع سے اپنا سر

اٹھاتے تو اس وقت بھی اپنے ہاتھوں کو اسی طرح اٹھاتے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے دلائل یہ ہیں۔

الف۔ عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ رضی اللّٰہ عنه أَلَا أُصَلِّيْ بِكُمْ صَلٰوةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ فَصَلّٰى فَلَمْ يَرْفَعْ يَدَيْهِ إِلَّا فِيْ أَوَّلِ مَرَّةٍ (ترمذی و ابوداؤد)

علقمہ رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا میں تم کو رسول اللہ ﷺ کی نماز نہ پڑھاؤں۔ تو انہوں نے نماز پڑھائی اور سوائے تحریمہ کسی اور موقع پر رفع یدین نہیں کیا۔

اصل بات یہ ہے کہ پہلے متعدد موقعوں پر رفع یدین کرنا سنت تھا مثلاً سجدہ میں جاتے وقت سجدہ سے اٹھتے وقت، دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے وقت اور سلام کے وقت۔

عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صلی اللّٰہ علیه وسلم رَفَعَ يَدَيْهِ فِيْ صَلَاتِهٖ إِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَاسَهٗ مِنَ الرُّكُوْعِ وَإِذَا سَجَدَ وَإِذَا رَفَعَ رَاسَهٗ مِنَ السُّجُوْدِ...... الخ (نسائی)

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو رفع یدین کرتے دیکھا جب آپ رکوع میں گئے اور جب آپ نے رکوع سے اپنا سر اٹھایا اور جب آپ سجدہ میں گئے اور جب آپ نے سجدہ سے اپنا سر اٹھایا۔

عَنْ نَافِعٍ أَنَّ ابْنَ عُمَرَ رضی اللہ عنہ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلٰوةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ وَ إِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ وَ إِذَا قَالَ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَفَعَ يَدَيْهِ وَ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ وَ رَفَعَ ذٰلِكَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ (بخاری).

نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرتے اور جب رکوع میں جاتے تو رفع یدین کرتے اور جب سمع

اللہ لمن حمدہ کہتے تو رفع یدین کرتے اور جب دو رکعتوں کے بعد کھڑے ہوتے رفع یدین کرتے اور انہوں نے اس کی نسبت نبی ﷺ کی طرف کی۔

لیکن دیگر مواقع میں بالاتفاق رفع دین کا حکم باقی نہیں رہا۔ اسی طرح رکوع کے وقت بھی رفع یدین کا حکم باقی نہیں رہا۔ جس کی دلیل یہ ہے۔

عَنْ جَابِرِ بِنْ سَمُرَةَ قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ مَا لِیُ أَرَاكُمْ رَافِعِیُ أَيُدِيُكُمْ كَأَنَّهَا أَذْنَابُ خَيُلِ شُمُسٍ اُسُكُنُوْا فِی الصَّلَاةِ (مسلم)

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (حجرہ مبارک سے نکل کر ہمارے پاس تشریف لائے اس حال میں کہ ہم نماز کے اندر رفع یدین کر رہے تھے۔ آپ نے فرمایا انہیں کیا ہوگیا کہ نماز کے اندر اس طرح رفع یدین کر رہے ہیں جیسے بدکے ہوئے گھوڑوں کی دمیں اٹھی ہوئی ہیں (کیونکہ جب رفع یدین کی سنیت منسوخ ہوچکی تو اب محض لایعنی اور فضول حرکت ہے) تو نماز کے اندر سکون اختیار کرو۔

غرض امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بتایا ہوا یہ مسئلہ بھی حدیث کے خلاف نہیں ہے۔

وجہ استدلال کے معلوم ہونے کی ضرورت

ایک حدیث میں ہے کہ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔

أَقْبَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه عليه وسلم عَلَی النَّاسِ بِوَجْهِهٖ فَقَالَ أَقِيْمُوْا صُفُوْفَكُمْ ثَلَاثًا. قَالَ فَرَأَيْتُ الرَّجُلَ يَلْزَقُ مَنْكِبَهٗ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهٖ وَ رُكْبَتَهٗ بِرُكْبَةِ صَاحِبِهٖ وَكَعْبَهٗ بِكَعْبِهٖ(ابو داؤد)

رسول اللہ ﷺ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور تین مرتبہ فرمایا اپنی صفیں درست کرلو...... حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ ہر شخص اپنا کندھا اپنے ساتھ والے کے کندھے کے ساتھ اور اپنا گھٹنا اس کے گھٹنے کے ساتھ اور اپنا ٹخنہ اس کے ٹخنے کے ساتھ ملائے ہوئے ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک صف میں کھڑے ہونے کے دوران کندھے کو

کندھے کے ساتھ ملایا جائے گا لیکن ٹخنے کو ٹخنے کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا بلکہ ان کو ایک سیدھ میں رکھا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل بھی یہی حدیث ہے جو ذکر ہوئی۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ مل کر کھڑے ہونے میں یہ تو ممکن نہیں کہ ایک شخص اپنے گھٹنے اور ٹخنے دونوں ہی دوسرے شخص کے گھٹنے اور ٹخنے کے ساتھ ملا سکے۔ ٹخنے ملائیں تو گھٹنوں کے درمیان فاصلہ رہ جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ گھٹنوں کو ملانا ضروری نہیں بلکہ ان کو سیدھ میں رکھا جائے۔ اسی طرح ٹخنوں کا ملانا بھی ضروری نہیں بلکہ گھٹنوں کی طرح ان کو بھی ایک سیدھ میں رکھا جائے۔ اور ایسے کھڑے ہوں جو کسی بڑی ذات کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑے ہونے کے لائق ہے۔ غرض دوسرے حضرات کندھوں اور ٹخنوں کو ملاتے ہیں اور گھٹنوں کو ملانے میں تاویل کرتے ہیں اور ان کو سیدھ میں رکھنا مراد لیتے ہیں۔ امام صاحب بھی اسی حدیث پر عمل کرتے ہیں اور کندھوں کو ملاتے ہیں اور گھٹنوں اور ٹخنوں میں تاویل کرتے ہیں جس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ کسی بڑے کے سامنے ادب کے ساتھ کھڑے ہونے کا عام طریقہ یہ ہے کہ دونوں پاؤں کے درمیان زیادہ فاصلہ نہ ہو۔